بسم اللہ الرحمن الرحیم
فقہ القرآن
عدلیہ
اور اجماع
مؤلفہ
مولانا عمر احمد عثمانی
ادارۂ فکر اسلامی
کاشانہ حفیظ ۲۲۰، الیرداس اسٹریٹ، گارڈن ایسٹ، کراچی ۳

طبع اوّل : ستمبر ۱۹۸۸ء

طبع دوم : ستمبر ۱۹۸۸ء/ مارچ ۲۰۰۳ء

مطبع : فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، کراچی

ناشر : **ادارۂ فکر اسلامی**

کاشانہ حفیظ نمبر ۲۴۰

گارڈن ایسٹ، ایسرداس اسٹریٹ، کراچی

﴿نوٹ از ناشر﴾

پہلی اشاعت میں موجودہ کتاب ''عدلیہ اور اجماع'' کو فقہ القرآن کی جلد ہشتم کے طور پر شائع کیا گیا تھا لیکن اب چونکہ ہم ہر حصے اور ہر جلد کو مستقل عنوان کے تحت شائع کر رہے ہیں تا کہ قارئین کرام جس عنوان سے دلچسپی رکھتے ہوں وہ متعلقہ کتاب خرید سکیں۔ اور ذہن پر بوجھ نہ رہے کہ جب تک ہم تمام جلدیں نہ خریدیں، تسلسل باقی نہیں رہے گا، لہٰذا اب یہ کتاب جلد اوّل نہیں سمجھی جائے گی بلکہ اپنے عنوان ''عدلیہ اور اجماع'' کے تحت دستیاب ہوگی۔

ڈاکٹر حبیب الرحمٰن خان

(صدر ادارۂ فکرِ اسلامی)

اجماع

دلائل شرعیہ میں سے اجماع ایک دلیل شرعی مانی گئی ہے، لیکن ہمارے فقہائے کرام نے اجماع کو کیا سمجھا ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے۔ اس پر ہمارے متاخرین علماء بہت کم غور فرماتے ہیں۔ انہوں نے یہ سمجھا ہوا ہے کہ ائمہ فقہاء کے اتفاق رائے کا نام اجماع ہے۔ یعنی ان کا اجتہاد انھیں متفقہ طور پر کسی ایک نتیجہ پر پہنچاتا ہے تو وہ اسے اجماع حقیقی قرار دیدیتے ہیں اور اگر چند فقہاء نے اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ فرمایا اور دوسرے فقہاء اس پر خاموش رہے یعنی انہوں نے اس کا انکار یا اسکی تردید نہیں فرمائی تو اجماع سکوتی ہو گیا اور وہ اسے کچھ اس انداز سے پیش کرنے کے عادی ہیں کہ گویا یہ پوری امت کا متفقہ فیصلہ ہو گیا جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ بعض حضرات تو اصرار فرماتے ہیں کہ اجماع کا انکار کفر ہے۔ لہٰذا اجماع کا منکر کافر، بد دین ملحد، مرتد اور واجب القتل ہے۔ اور وہ پوری امت مسلمہ سے بغاوت کرنے کا مجرم ہے۔

ضرورت ہے کہ اجماع کی حقیقت اور دین میں اس کی شرعی حیثیت کو اچھی طرح پر سمجھ لیا جائے تاکہ اس سلسلہ میں کسی کو اگر غلط فہمی ہے تو اس کا ازالہ ہو سکے۔ اس کی ابتدا ہم دوسری اقوام میں اجماع کے تصور سے کرتے ہیں

اجماع کا تصور یہودیت میں

اجماع کا تصور بڑے ہی قدیم عہد سے چلا آرہا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے ہمیں اس کی بازگشت یہودیت میں نظر آتی ہے۔ یہودیت میں اجماع کا بعینہ وہی تصور نہیں ہے جو ہمارے ہاں پایا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں اجماع اسے کہتے ہیں کہ کسی عہد کے مجتہد علماء تمام کے تمام کسی فیصلے پر قولاً یا عملاً اتفاق کرلیں۔ لیکن یہودیت میں تمام علماء مجتہدین کا اتفاق رائے ضروری نہیں بلکہ اکثریت کا فیصلہ بھی واجب التعمیل ہوتا ہے۔ اکثریت کے فیصلے کو یہودیت میں (Halakhah) ہلاخہ یا ہلاکھ کہتے ہیں۔

ہم یہاں مشہور مصنف میناشم الون کی کتاب انسائیکلو پیڈیا جوڈائیکا جو جبرو یونیورسٹی یروشلم سے شائع ہوئی ہے ایک خاص باب پرنسپلز آف جوئیشن لاء کے کچھ اقتباسات پیش کررہے ہیں۔

اکثریت کی رائے (Halakheh) تین خاص موقعوں پر واجب التعمیل ہوتی ہے (۱) وہ قوانین جو (Halakha) ہلاخا کی رائے کے مطابق واجب العمل ہوں (۲) کورٹ کے ججوں کی اکثریت سے تنازعات کے جو فیصلے صادر ہوئے ہوں۔ (۳)

اکثریت کے فیصلے کے مطابق جو قوانین اس لئے مرتب کئے جائیں
کہ وہ تمام عوام پر نافذ ہوں (خروج ۲۳/۲ کے مطابق
ہیلا کھے (Hala-k heh) میں یہ پروسیجر تالمود کے
عین مطابق اختیار کیا جاتا ہے کہ مختلف آراء میں اقلیت کی رائے
پر ہر حال میں اکثریت کی رائے ہی حاوی رہے گی ....
.... مجتہدین محققین کی اکثریت کی رائے ہر حال
میں واجب العمل ہے اگرچہ خود اللہ کی آواز (کتاب کی نصوص میں)
اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

اگر کوئی اقلیت ایسے فیصلے سے اتفاق نہ کرے جو اکثریت نے
قائم کیا ہے تو با وجود اختلاف رائے کے وہ اقلیت کے لئے بھی
واجب التعمیل ہوگا۔ (کالم ۱۶۳ - ۱۶۴-۱۶۵)

کچھ مزید اقتباسات مزید پیش خدمت ہیں۔

یہودی علماء کے نزدیک ایک اہم اصول یہ ہے کہ مکتوب تورات
کے علاوہ جو لکھی ہوئی تھی حضرت موسیٰ نے ایک زبانی تورات بھی حق
تعالیٰ سے حاصل کی تھی پھر ان میں سے بعض علماء نے کہا ہے کہ چالیس دن
میں حضرت موسیٰ کو جو مکتوب قانون دیا گیا تھا وہ محض اصول تھے۔ باقی
(تفصیلی) احکام علماء پر چھوڑ دئیے گئے تھے کہ وہ ان اصولوں کی
روشنی میں قوانین بنائیں۔ چنانچہ قوانین مذہبی میں علماء کا بھی بڑا
حصہ ہے"

اللہ کا رسول وحی میں تورد و بدل نہیں کر سکتا اور اگر کوئی ہلاخاہ کا
قانون ایسا ہے جو مکتوب وحی نہیں ہے تب بھی وہ سب کے لئے

واجب التعمیل ہے۔"

مزید ارشاد ہے کہ۔

"علماء کے اجماعی فیصلے کو نہ وحی رد کر سکتی ہے اور نہ لوگ اگر کوئی آسمانی آواز بھی اس رائے کی تائید کرتی ہے جو اقلیت کی رائے ہے تو وہ بھی قابل قبول نہیں ہو گی۔ اللہ بھی اکثریت ہی کی رائے کو تسلیم کرتا ہے۔ حتیٰ کہ پیغمبروں کے حوالوں سے بھی علماء کے اجماعی فیصلے کو بدلا نہیں جا سکتا۔"

انبیاء بشیر و نذیر ہوتے ہیں۔ اگر کوئی نبی دعویٰ کرلے کہ اسے تورات کے خلاف وحی آئی ہے تو وہ جھوٹا نبی مانا جائے گا۔ اگر ایک ہزار انبیاء بھی دعویٰ کریں کہ علماء کے اجماعی فیصلے کے خلاف ان پر وحی آئی ہے تو ان کی بات نہیں مانی جائے گی"۔.......

.................اجماعی مسائل کی بنیاد ایک تو مکتوب تورات ہے دوسرے وہ مسائل ہیں جو علمائے یہود نے تورات کے اصولی احکام پر مبنی کر کے استنباط کئے ہیں........

...نیز وہ احکام بھی ہیں جو عرف اور حالات کے مطابق علماء نے استنباط کئے ہیں...............بعد کے علماء کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ زمانہ کے حالات میں ان کے مطابق احکام کی تدوین کرتے رہیں...............جرائم کے سلسلہ کے قوانین میں معمولی اکثریت کی بناء پر جو قانون بنائے گئے ہیں وہ کافی نہیں ہیں۔ ان کے لئے بہت بڑی اکثریت کی ضرورت ہے۔

....

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ص ۴۲۸ ج ۲۲ میں ہے

"اللہ نے مکتوب تورات نازل کی اور وہ بائبل کی پانچ کتابیں
ہیں۔ اس کے بعد تلمود ہے جو حضرت موسیٰ کو زبانی وحی کی گئی ہے
قوانین کی تشریح کے سلسلے میں جو ہدایات دی گئی ہیں وہ "مشنا"
کہلاتی ہیں۔ "مشنا" کی تشریح کے سلسلے میں جو ہدایات دی گئیں،
انھیں "گیمارا" کہتے ہیں۔ تالمود میں یہ تمام چیزیں موجود ہیں.....
...... یہود میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو تالمود کے خلاف
تھے۔ وہ صرف وحی مکتوب یعنی تورات کو مانتے تھے۔ وہ کہتے
تھے کہ ہمارے علماء نے بعد میں جو گڑبڑ کی ہے اور اضافے کئے
ہیں ہم انھیں نہیں مانتے۔

اجماع کا تصور رومن لا میں

بعض علماء کا خیال ہے کہ اجماع کا تصور رومن لا میں بھی موجود
تھا چنانچہ رومن لا میں اہل حکمت و معرفت کے اتفاق سے جو فیصلے
صادر ہوتے تھے وہ قانوناً واجب العمل ہوا کرتے تھے چنانچہ استاذ
جوستاف جزو بنیادم (Von Grune baum)
(شیکاگو یونیورسٹی کے استاد لغت عربی موتمر علماء نے بحوث
اسلامیہ جو شہر "SPA" بیلجیکا میں ۱۹۵۳ء میں منعقد ہوئی تھی)
نے یہ رائے اپنی کتاب "حضارۃ الاسلام" ص ۱۹۳ میں بیان کی ہے۔ یہ
کتاب استاد عبدالعزیز توفیق جاوید نے ترجمہ کی اور استاد کبیر مرحوم
عبدالحمید عبادی نے اس پر نظر ثانی فرمائی۔ جو ۱۹۵۶ء میں طبع ہوئی ہے

اجماع اور فقہائے اسلام

سب سے پہلے تو یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ دلائل شرعیہ میں اجماع کی وہ حیثیت ہرگز نہیں ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی ہے۔ یعنی اجماع کی حیثیت مستقل ماخذ یا دلیل شرعی کی نہیں ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ ہر وہ بات جو اجتماعی رائے سے ثابت ہو جائے وہ شریعت بن جائے جیسا کہ ہر وہ مسئلہ جو کتاب اللہ سے یا سنت رسول سے ثابت ہو جائے تو وہ شریعت بن جاتا ہے۔ جس کا قرآن کریم نے حکم دے دیا وہ فرض ہو گیا اور جس سے قرآن نے منع کر دیا وہ حرام ہو گیا۔ اب کسی کو اس میں چون وچرا کی گنجائش نہیں رہی۔ کوئی مسلمان یہ نہیں پوچھ سکتا کہ یہ کیوں حرام ہو گیا اور کیوں فرض ہو گیا۔ ایسے ہی جو بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو گئی کہ آپ نے فلاں بات کا حکم دیا تھا یا فلاں بات سے منع فرمایا تھا وہ واجب، سنت یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی ہو گئی۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات ثابت ہو گئی تو کسی مسلمان کو یہ حق نہیں رہا کہ وہ اس میں چون وچرا کر سکے۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی مسلمان اس بات ہی میں شک کرے کہ یہ بات حضور سے ثابت بھی ہو گئی ہے یا نہیں۔ کیونکہ روایۃً یا درایۃً اس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہونا مشکوک ہو۔

لیکن فقہاء کی آراء کے اتفاق کی یہ صورت نہیں ہے فقہاء کا اجتہاد یا رائے حجت شرعی نہیں ہے۔ اس کے بعد یہ سوال کرنے کا ہر مسلمان کو حق ہے کہ فقہاء نے یہ رائے کس بنیاد پر قائم کی ہے اور آیا وہ بنیاد قرآن کریم کی کسی آیت پر مبنی ہے یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ثابتہ پر متفرع ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو وہ اس بنیاد پر شریعت